بریفنگ پیپر

برائے پاکستانی اراکین پارلیمنٹ

پلڈاٹ

جون 2003

بریفنگ پیپر نمبر 3

جمہوریت اور جمہوری اداروں کے استحکام کیلئے کوشاں

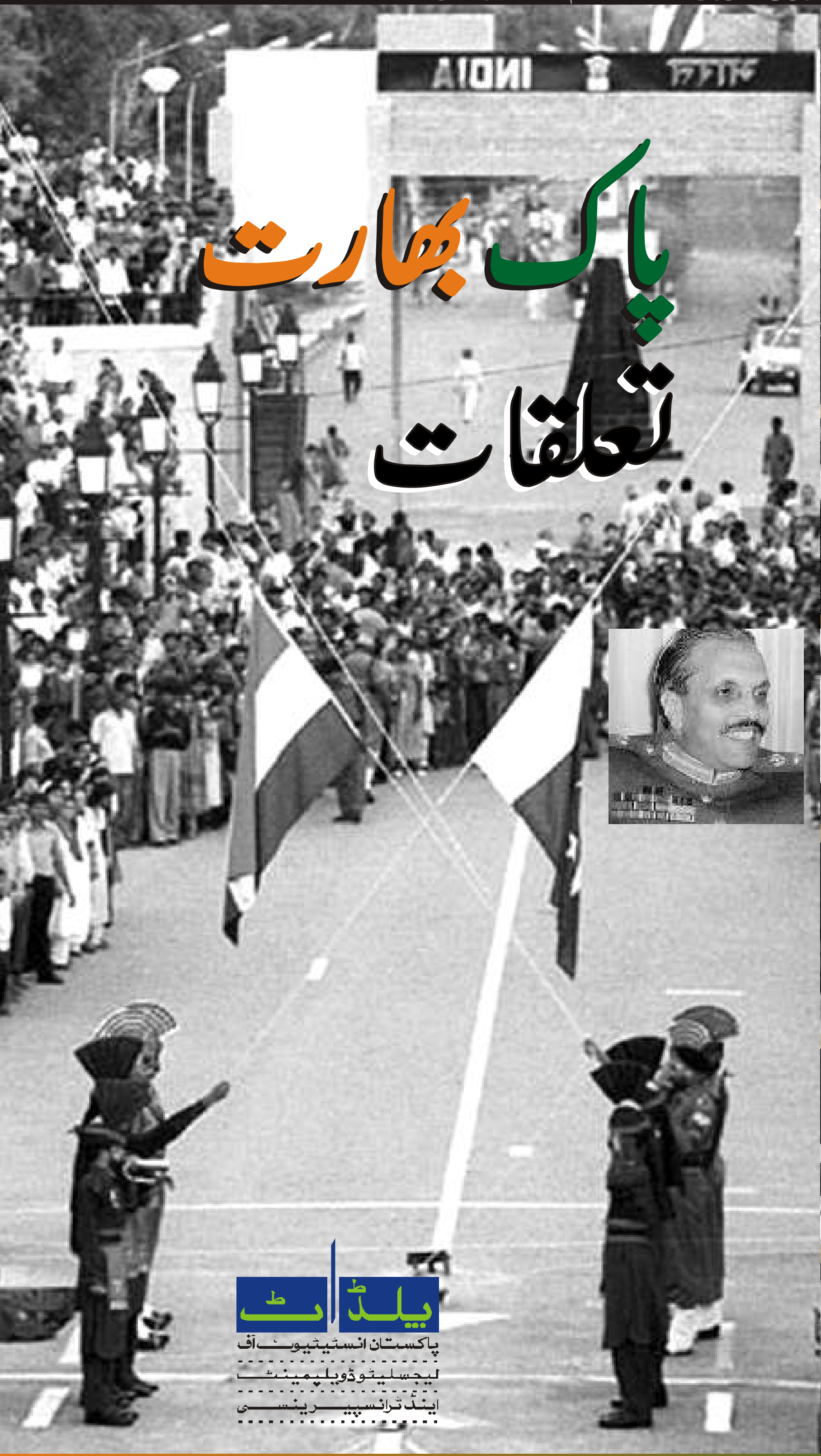

پاک بھارت تعلقات

www.pildat.org

پلڈاٹ

پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈیولپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

بریفنگ پیپر

برائے پاکستانی اراکین پارلیمنٹ

پلڈاٹ

جون 2003

3
بریفنگ پیپر نمبر

جمہوریت اور جمہوری اداروں کے استحکام کیلئے کوشاں

پاک بھارت تعلقات

www.pildat.org

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ
اینڈ ٹرانسپیرنسی

فہرست مضامین

پیش لفظ
مصنف: مختصر تعارف
مطالعاتی خاکہ
تاریخی پس منظر 07
اسلحہ کی دوڑ 07
ماضی کا مذہبی وثقافتی بوجھ 07
داخلی سیاست 08
عالمی ماحول 09
دغابازیاں اور وعدہ خلافیاں 09
عسکری حل 11
مذاکرات کی تاریخ 11
تنازعۂ کشمیر کے تصفیے کے سراب 13
اپریل 2003ء کی کوشش 13
حاصل ہونے والے سبق 14
لاہور اور آگرہ 14
پسِ پردہ سفارت کاری 14
تنازعۂ کشمیر کے تصفیے کے لئے امکانی حل 14

- رائے شماری 14
- لائن آف کنٹرول بطور بین الاقوامی سرحد 15
- خودمختار کشمیر 15
- چناب فارمولا 15

اختتامیہ 15

ضمیمے:

- پاک بھارت تعلقات: سربراہی ملاقاتیں اور معاہدے
- اعلانِ تاشقند
- شملہ معاہدہ
- اعلانِ لاہور

پیش لفظ

''پاک بھارت تعلقات''اراکینِ پارلیمان کے لئے پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف لیجسلیٹو ڈویلپمنٹ اینڈ ٹرانسپیرنسی۔پلڈاٹ کی طرف سے مرتب کردہ تیسرا بریفنگ پیپر ہے۔اس کے ذریعے ایک ایسے موضوع کا جامع' تاریخی اور گہری نظر سے جائزہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو پاکستان کی سیاسی زندگی' معیشت اور سلامتی کے معاملات میں کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اگرچہ اس موضوع کے متعلق پاکستان میں شدید جذبات پائے جاتے ہیں۔ہم نے کوشش کی ہے کہ اس مطالعاتی خاکے کے ذریعے ان تعلقات کو صحیح تاریخی سیاق وسباق' امکانات اور خطرات سمیت واقعاتی اورمعروضی انداز میں پیش کیا جائے۔ادارے (PILDAT) کا خیال ہے کہ اس قسم کا تناظر اراکینِ پارلیمان کے لیے خصوصاً بنیادی اہمیت رکھتا ہے جنھیں پاکستان کے عوام نے ریاستی لائحہ عمل کے رہنما اصول متعین کرنے کا فریضہ سونپا ہے۔

اِس مطالعاتی خاکے کا مقصد یہ بھی ہے کہ اس انتہائی اہم معاملے پر پارلیمان کے اندر اور باہر بحث وتمحیص میں ایک موثر کردار ادا کرنے میں قومی اسمبلی اور سینٹ کے اراکین کی اعانت کی جائے۔

اِدارہ سینئر مشاہد حسین صاحب، جو خارجہ امور کے شہرت یافتہ تجزیہ نگار اور صحافی ہیں، کا شکر گذار ہے کہ اُنہوں نے اِس مطالعاتی خاکے کا مسوّدہ تیار کیا۔یہ خاکہ ایک غیر جانبدار اور معروضی نقطۂ نظر سے تیار کیا گیا ہے اور ضروری نہیں کہ یہ جناب مشاہد حسین کی جماعتی وابستگی اور ان کی پارٹی کے موقف کا مظہر ہو۔بطور ایک ادارے کے PILDAT اِس خاکے میں زیرِ بحث لائے گئے پاک بھارت تعلقات کے تصفیے کے لیے کسی خاص طریقِ کار یا زاویۂ نظر کا حامل نہیں۔اس خاکے میں دیئے گئے متبادل ممکنہ حل اراکینِ پارلیمان کی معلومات میں اضافے کے نقطہ نظر سے پیش کئے گئے ہیں۔

ہمیشہ کی طرح ہم اپنے قارئین یعنی اراکینِ پارلیمان کی رائے کے منتظر ہیں جن کی شرکت اور اعانت پاکستان میں ایک پائیدار اور مضبوط پارلیمانی جمہوریت کے خواب کی تکمیل کے لیے ناگزیر ہے۔

لاہور

جون 2003ء

مصنّف: مختصر تعارف

مشاہد حسین آجکل سینیٹر ہیں اور کئی اخبارات کے سنڈیکیٹ کے لیے کالم لکھتے ہیں۔ اس سے پہلے وہ وفاقی وزیر، صحافی، یونیورسٹی کے اُستاد اور سیاسی تجزیہ نگار رہ چکے ہیں۔ 1997ء سے 1999ء تک وزیرِ اطلاعات کے طور پر وہ حکومت پاکستان کے سب سے بڑے ترجمان تھے۔اس حیثیت میں انہوں نے بین الاقوامی ٹیلی وژن اور ریڈیو پر جوہری ہتھیاروں سے لے کر خارجہ امور تک کے موضوعات کے متعلق پاکستانی نقطۂ نظر پیش کیا۔12 اکتوبر 1999 کے بعد اُنہیں ۴۴۰ دنوں کے لیے کسی الزام کے بغیر سیاسی قیدی کے طور پر پابندِ سلاسل رکھا گیا۔ اس دوران وہ کچھ عرصہ قیدِ تنہائی میں بھی رہے۔ انسانی حقوق کی نمایاں عالمی تنظیم ایمنسٹی انٹرنیشنل نے اُنہیں ''ضمیر کا قیدی'' قرار دیا۔سال ۲۰۰۰ میں وہ یہ اعزاز پانے والے پہلے پاکستانی تھے۔

مشاہد حسین نے واشنگٹن کی جارج ٹاؤن یونیورسٹی کے سکول آف فارن سروس سے ایم اے کیا ہوا ہے۔ واشنگٹن میں تعلیم کے دوران وہ پاکستان سٹوڈنٹس ایسوسی ایشن کے صدر رہے اور امریکی کانگریس سے اُنہیں زیرِ تربیت ملازم کے طور پر وظیفہ بھی دیا گیا۔ پاکستان میں اُنہوں نے ایف سی کالج سے بی اے کیا۔

امریکہ میں تعلیم کی تکمیل کے بعد وہ پاکستان واپس آ گئے اور حکومتی افسران کی تربیت کے بلند مقام اِدارے پاکستان ایڈمنسٹریٹو سٹاف کالج کے ڈائریکٹنگ سٹاف کے رکن بن گئے۔ وہاں سے وہ ملک کے قدیم ترین تعلیمی ادارے پنجاب یونیورسٹی کے شعبۂ سیاسیات میں بین الاقوامی امور کے لیکچرار کے طور پر چلے گئے جہاں سے اُنہیں مارشل لاء کے دوران تین دوسرے اساتذہ کے ساتھ سیاسی وجوہ کی بِناء پر برطرف کر دیا گیا۔

1982 میں جب اُن کی عمر صرف 29 سال تھی وہ پاکستان کے اسلام آباد سے شائع ہونے والے قومی انگریزی روزنامے ''دی مسلم'' کے کم عمر ترین ایڈیٹر بن گئے۔ مارشل لاء کے دوران جمہوریت کی حمایت کی آزادانہ پالیسی کی وجہ سے اِس اخبار کا بہت احترام کیا جاتا تھا۔

بین الاقوامی سیاست اور سٹریٹیجک امور کے ماہر کے طور پر اُنہوں نے بہت سے لیکچر دیئے اور مضامین لکھے جنہیں وسیع پذیرائی ملی اور وہ نیویارک ٹائمز، واشنگٹن پوسٹ، انٹرنیشنل ہیرالڈ ٹریبیون اور مڈل ایسٹ انٹرنیشنل سمیت متعدد قومی اور بین الاقوامی مطبوعات میں شائع ہوئے۔ وہ تین کتابوں کے بھی مصنف ہیں۔

تاریخی پس منظر

بر ِصغیر میں مسلمانوں کی علیحدہ مملکت کے لیے جدوجہدِ آزادی قائداعظم محمد علی جناح کی قیادت میں تشکیلِ پاکستان کی صورت میں کامیابی سے ہمکنار ہو چکی تھی۔ مارچ 1948 میں ایک امریکی صحافی نے قائداعظم سے استفسار کیا کہ اب بحیثیت دو آزاد ممالک کے پاکستان اور بھارت کے مابین تعلقات کے بارے میں ان کا تصور کیا ہے؟ بانئ پاکستان نے اچھی ہمسائیگی کے اپنے تصور کی وضاحت کرتے ہوئے شمالی امریکہ کی دوست ہمسایہ مملکتوں ریاست ہائے متحدہ امریکہ اور کینیڈا کی مثال دی۔ دوسرے لفظوں میں حجم اور طاقت سے قطع نظر دونوں (پاکستان اور بھارت) ایک دوسرے کی خودمختار حیثیت' آزادی اور علاقائی سالمیت کا احترام کریں۔

قائداعظم کی اِس اعلیٰ سوچ کے برعکس پاکستان اور بھارت کے تعلقات کی راہ دردناک ماضی کے ملبے سے اٹی ہوئی ہے۔گزری ہوئی نصف صدی باہمی جنگ و جدل، بار بار امڈتے بحرانوں اور عہد شکنی سے بھری پڑی ہے۔جھوٹی توقعات اور امیدیں تیزی سے دم توڑتی رہیں۔ یہ سب کچھ ان ایک ارب سے زائد باشندگانِ برِ صغیر کے ذہنوں پر نقش ہے جو اکیسویں صدی کے آغاز پر ایک اچھے مستقبل کی آرزو کر رہے ہیں۔

اچھے ہمسائیوں کی طرح باہمی تعاون کی بجائے چپقلش اور تصادم کی ٹیڑھی ترچھی راہیں ان کا مقدر بنیں۔ اِن میں بچگانہ حماقتیں نہ سہی ادلے کا بدلہ، ترکی بہ ترکی جواب اور جیسے کو تیسا کی سوچ ضرور نمایاں رہی۔ دونوں ممالک کے ماضی کے مختصر جائزے میں ہی ان باتوں کا ثبوت موجود ہے:

- تین جنگیں (1948 - 1965 - 1971)
- دو چھوٹی جنگیں (1965 کا معرکہ رن کچھ اور 1999 کا معرکۂ کارگل)
- دو جنگیں جو ہوتے ہوتے رہ گئیں (جنوری اور جون 2002)

جموں کشمیر کا تنازعہ اُتنا ہی پُرانا ہے جتنی ان دونوں مملکتوں کی آزادی جن کی فوجیں دنیا کی قدیم ترین خطہ متارکہ جنگ (1971 سے لائن آف کنٹرول) پر ایک دوسرے کے سامنے صف آراء ہیں۔ اسی دوران مزید نئے تنازعات پیدا ہو چکے ہیں مثلاً سیاچن جہاں بھارتی افواج نے چوری چوری قبضہ کر لیا۔سندھ طاس معاہدہ اور لیاقت نہرو پیکٹ جیسے پرانے معاہدوں کے احترام کو کھُلم کھُلّا پامال کیا جا رہا ہے۔

اسلحہ کی دوڑ

1988 میں بھارت نے خاص پاکستان کے خلاف استعمال کیلئے پرتھوی میزائل کا تجربہ کر کے خطے میں اسلحہ کی دوڑ کی آگ کو اور بھی بھڑکا دیا۔ جواباً پاکستان نے 1989 میں اپنا میزائل ''حتف'' داغ دیا۔ 1974 میں اپنے ''پُرامن ایٹمی دھماکے'' کے ساتھ بھارت نے جنوبی ایشیاء میں ایٹمی عنصر متعارف کرا دیا۔ 1998 میں بھارت نے اپنے ایٹمی ہتھیاروں کا تجربہ بھی کر لیا۔ ایک مرتبہ پھر پاکستان کے پاس اس کے سوا کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ اِس کا مناسب اور موزوں جواب دے۔ یہ بات قطعاً تعجب کا باعث نہیں کہ امریکہ کے صدر کلنٹن نے جنوبی ایشیا کو دنیا کا سب سے خطرناک خطہ قرار دیا۔

ماضی کا مذہبی وثقافتی بوجھ

پاکستان بھارت تعلقات کی اونچ نیچ بہت سے عوامل کی رہینِ منت ہے جن کی جڑیں تاریخ' سیاسی مفادات اور جغرافیائی و سیاسی حالات میں گہرائی تک اتری ہوئی ہیں۔دونوں ممالک ایک ایسی تاریخ میں جکڑے ہوئے ہیں جس نے ان کی شناخت' تشخص اور مفادات کی صورت گری کی ہے۔دس لاکھ جانیں 1947 کے پُرتشدد واقعات کی نذر ہوئیں' ایک کروڑ سے زائد لوگوں کو اپنے گھر بار چھوڑنے پڑے اور تاریخ کا سب سے بڑا انتقالِ آبادی وقوع پذیر ہوا۔ 1971ء میں تیسری دنیا میں علیحدگی کی پہلی تحریک کو کامیابی سے چلانے کے بعد 18 دسمبر 1971ء کو بھارتی وزیراعظم اندرا گاندھی کا فتح مندی سے سرشار ہو کر پکار اٹھنا کہ ''ہم نے ہزار سالہ تاریخ کا بدلہ لے لیا ہے'' کوئی اتفاقی حادثہ نہیں تھا۔جب وہ کانگرس کی پارلیمانی پارٹی میں فرطِ مسرت سے ہزار سالہ بدلے کا ذکر کر رہی تھیں اس وقت پاکستان کی عمر صرف ۲۴ سال تھی۔ ظاہر ہے اندرا گاندھی اُس وقت ہندوستان کی اُس ہزار سالہ تاریخ کا حوالہ دے رہی تھیں جس کے دوران مسلمان اقلیت نے ہندوستان پر حکمرانی کی۔یہ ایک ایسی حقیقت ہے جسے ہندو آبادی کی غالب اکثریت آج تک ناپسند کرتی ہے۔

داخلی سیاست

بھارت کی موجودہ ہندو بنیاد پرست حکمران جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی (BJP) کی پالیسی ہندو دیو مالائی تصورات کے فروغ اور پاکستان و مسلم دشمنی کے جڑواں سیاسی پروگرام پر مبنی ہے۔ ایک طرف اُس نے ہندوستان میں مغلیہ سلطنت کے بانی' شہنشاہ ظہیرالدین بابر کے نام پر بنائی گئی اجودھیا کی بابری مسجد شہید کر کے اُس کے ملبے پر رام مندر بنانے کی حمایت کی۔ تو دوسری طرف انتخابات میں ووٹ حاصل کرنے کے لیے مسلمان دشمنی اور پاکستان دشمنی کی پالیسی اپنائی جیسے صوبہ گجرات کے الیکشن منعقدہ دسمبر 2002ء کے انتخابات جن کے انعقاد سے قبل فروری 2002ء میں مسلمانوں کا ریاستی سرپرستی میں قتلِ عام ہوا۔ اگرچہ دونوں ممالک کی داخلی سیاست کا اُن کے باہمی تعلقات میں ایک حصّہ ہوتا ہے لیکن پاکستان میں یہ حصہ کافی کم ہے۔ مثلاً 1970 یا 1988 کے بعد سے پاکستان میں کسی پارٹی نے بھارت مخالف پلیٹ فارم پر انتخاب جیتنے کی کوشش نہیں کی۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر گذشتہ انتخابات سے رہنمائی لی جائے تو زیادہ ووٹ جیتنے والے عنصر کے طور پر امریکہ مخالف خیالات نے بھارت مخالف جذبات کی جگہ لے لی ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ یکم اپریل 2003ء کو دفترِ خارجہ سے اپنے خطاب میں متحدہ مجلسِ عمل کے رہنما قاضی حسین احمد نے امریکی خطرے کے مقابلے کے لیے ہندوستان کے ساتھ تعلقات کو معمول پر لانے اور مذاکرات کی حمایت کی۔

ایک فوجی حکمران کی حیثیت سے جنرل پرویز مشرف نے بھارت کے ساتھ معاملات طے کرنے میں لچک کا مظاہرہ کیا ہے۔ انہوں نے کشمیر پر اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کا تذکرہ کرنے سے گریز کیا ہے اور برملا اس امر کا اظہار کیا ہے کہ ''کشمیر کے کسی حل پر پہنچنے کے لیے ہمیں (دونوں ممالک کو) اپنے روایتی مؤقف سے آگے جانے کی ضرورت ہے۔'' اس بناء پر کشمیری حریت پسند رہنما میر واعظ عمر فاروق اکتوبر 2000 میں قطر کی اسلامی کانفرنس کے دوران جنرل پرویز مشرف سے ملاقات کے بعد یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ''آج تک پاکستان کے جتنے بھی رہنماؤں کو میں ملا ہوں اُن میں سے کسی نے کشمیر کے مسئلے پر اس قدر لچک نہیں دکھائی جتنی جنرل مشرف نے''۔

حقائق نامہ

1949ء: کشمیر میں جنگ بندی۔ اقوامِ متحدہ کے بھارت اور پاکستان کے لیے فوجی مبصروں کے گروپ (UN Military Observers' Group in India and Pakistan (UNMOGIP) کی تشکیل۔ اقوامِ متحدہ نے رائے شماری کے ذریعے کشمیریوں کی خواہشات معلوم کرنے کے لیے قرارداد منظور کی۔

1950ء: لیاقت نہرو معاہدے کے ذریعے دونوں ممالک میں اقلیتوں (بھارت میں مسلمان' پاکستان میں ہندو) کے تحفظ کی کوشش۔

1959ء: فیلڈ مارشل ایوب خان کی طرف سے ''شمالی خطرے کے مقابلے میں مشترکہ دفاع'' کی پیشکش جسے نہرو نے یہ تلخ جواب دے کر مسترد کر دیا کہ ''کس کے لیے خطرہ؟''

1960ء: پاکستان اور بھارت کے درمیان سندھ طاس کے پانیوں کے سمجھوتے پر دستخط۔ عالمی بنک کے زیرِ اہتمام اس معاہدے کے ذریعے دریاؤں کے پانی کی تقسیم کا فیصلہ ہوا۔

1962-63ء: چین بھارت سرحدی تصادم کے پس منظر میں اینگلو امریکن مصالحت کے ذریعے کشمیر پر پاک بھارت مذاکرات کی حوصلہ افزائی۔ وزرائے خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور سردار سورن سنگھ کے درمیان بات چیت کے چھ بے نتیجہ دور۔

1964ء: 11 سالہ قید سے رہائی کے بعد کشمیری رہنما شیخ عبداللہ کا ''ایک امن منصوبے'' کے ساتھ دورۂ پاکستان جو بھارتی وزیرِاعظم نہرو کی اچانک موت کی خبر کے ساتھ ختم ہو گیا۔

1965ء: پاکستان اور بھارت کے درمیان سترہ (17) روزہ بے نتیجہ جنگ۔

1966ء: واشنگٹن کی حمایت سے ماسکو کی مصالحت۔ تاشقند میں پاکستانی صدر ایوب خان اور بھارتی وزیرِاعظم لال بہادر شاستری کے درمیان اعلیٰ سطحی ملاقات۔ اعلانِ تاشقند پر دستخطوں کے بعد چند گھنٹوں کے اندر وزیرِاعظم شاستری کا دل کا دورہ پڑنے سے انتقال۔

جاری ہے.......

عالمی ماحول

پاکستان اور بھارت دونوں عالمی ماحول کے بھی اسیر ہیں جو دونوں کے لیے دوستوں کے انتخاب، بیرونی مفادات اور علاقے میں اُن کی دخل اندازی کی حدود کا تعین کرتا ہے۔

سرد جنگ کے زمانہ میں پاکستان اور بھارت دونوں نے منفی مفادات کا کھیل کھیلا۔ عالمی معاملات میں ان کی حمایت اور مخالفت بالعموم ایک دوسرے کے برعکس ہوتی تھی۔ خارجہ امور میں دونوں کا ایک دوسرے سے معکوس طرزِ عمل انہیں مخالفانہ کیمپوں میں لے گیا۔ پاکستان نے اپنے آپ کو امریکی کیمپ سے وابستہ کر لیا تھا۔ جبکہ بظاہر غیر وابستہ بھارت سوویت یونین کا حواری تھا۔ 1962 کی چین بھارت فوجی محاذ آرائی کے وقت سے شروع ہونے والی پاک چین دوستی کی ابتداء اس قدیم محاورے کی عکاس تھی کہ میرے دشمن کا دشمن میرا دوست ہے۔

حالات کی ستم ظریفی ہے کہ آج دونوں ہمسایہ حریف ممالک پاکستان اور بھارت اپنے اپنے طور پر امریکہ کی حمایت اور توجہ کے طلبگار ہیں۔ بھارت کو پاکستان کی نسبت بڑی مارکیٹ ہونے کی وجہ سے قدرے فوقیت حاصل ہے پھر اپنے حجم کے علاوہ چین کے ساتھ جغرافیائی قرابت نے بھی بھارت کو ایشیاء کی ابھرتی ہوئی دیو قامت معاشی' سیاسی اور فوجی قوت یعنی چین کے مقابلے کے لیے امریکہ کا ''پسندیدہ امیدوار'' بنا دیا ہے۔

دغابازیاں اور وعدہ خلافیاں

جنوبی ایشیاء کے ہمسایہ ایٹمی ممالک کے باہمی تعلقات کی تصویر میں اگر رنگ تاریخ نے بھرے ہیں تو اُن کی باہمی دشمنی کو پختہ اور دیرپا دغابازیوں اور وعدہ شکنیوں نے کیا ہے۔ یوں اکثر پاکستانیوں کے ذہنوں میں بھارت کا تصور ایک دشمن کے طور پر راسخ ہے۔

پاکستان نے بھارت کے پہلے وزیرِ اعظم جواہر لال نہرو کی یہ بدعہدی کبھی معاف نہیں کی جو انہوں نے کشمیر میں استصوابِ رائے کے نہایت سنجیدگی کے ساتھ کئے گئے وعدے سے منحرف ہو کر کی۔ رائے شماری کی صورت میں جموں وکشمیر کی اسی فیصد

حقائق نامہ

1968ء: مشرقی پاکستان سے تعلق رکھنے والے حزبِ اختلاف کے رہنما شیخ مجیب الرحمٰن پر اگرتلہ سازش کیس میں مقدمے کا قیام۔ الزام یہ تھا کہ وہ بھارت کے ساتھ مل کر مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی سازش کر رہے تھے۔

1971ء: دو (2) کشمیری نوجوانوں کے ہاتھوں ایک بھارتی مسافر طیارے ''گنگا'' کا اغوا اور لاہور آمد۔ بھارت کا پاکستان پر طیارے کے اغوا میں ملوث ہونے کا الزام۔ بھارت کی طرف سے بھارت کے اوپر سے پاکستانی پروازوں پر پابندی جس سے مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان فضائی رابطے کٹ گئے۔

1971ء: چین اور امریکہ کے درمیان پاکستان کے رابطے کا کام دینے سے خوفزدہ ہو کر بھارت اور سوویٹ یونین کے درمیان دفاعی معاہدے پر دستخط۔

1971ء: بھارت کے مشرقی پاکستان پر حملے کی وجہ سے پاکستان کی مغربی محاذ پر جوابی کارروائی۔ دونوں ممالک کے درمیان تیسری جنگ چودہ (14) روز میں بنگلہ دیش کے قیام اور پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے پر منتج ہوئی۔ اس پر بھارتی وزیرِ اعظم اندرا گاندھی نے نہایت مسرت کے ساتھ اعلان کیا کہ ''ہم نے ایک ہزار سال کے بعد انتقام لے لیا ہے''۔

1972ء: دونوں ممالک کے وزرائے اعظم بھٹو اور گاندھی کے مابین شملہ میں ملاقات اور 1971 کی جنگ کے بعد امن معاہدے پر دستخط۔

1974ء: بھارت ایک ''پُر امن ایٹمی دھماکہ'' کر کے ایٹمی دور میں داخل ہو گیا۔ جواباً پاکستان نے خفیہ طور پر ایٹمی ہتھیار بنانے کا اپنا پروگرام شروع کر دیا۔

1975ء: مسز گاندھی اور شیخ عبداللہ کے درمیان مقبوضہ کشمیر پر معاہدے کے نتیجے میں شیخ عبداللہ کے اُس متنازعہ ریاست کے وزیرِ اعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے پر وزیرِ اعظم ذوالفقار علی بھٹو کی طرف سے ملک گیر ہڑتال کا اعلان۔

جاری ہے.......

مسلمان آبادی کو یہ فیصلہ کرنے کا موقع مل جاتا کہ وہ پاکستان میں شامل ہونا چاہتے ہیں یا بھارت میں۔ یہ شرط اقوامِ متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی اُن قراردادوں میں شامل تھی جنھیں بھارت اور پاکستان دونوں نے تسلیم کیا تھا لیکن بعد میں بھارت نے انہیں یکطرفہ طور پر مسترد کر دیا۔ ستم ظریفی یہ کہ بھارت خود تنازعۂ کشمیر کو 31 دسمبر 1947 کو اقوامِ متحدہ میں لے کر گیا تھا۔

وزیرِاعظم نہرو نے اقوامِ متحدہ کی کشمیر کے بارے قرارداد سے انحراف کے لیے امریکی سرپرستی میں کئے گئے دفاعی معاہدوں سیٹو اور سینٹو میں پاکستان کی رکنیت کو حیلہ بنایا۔ نہرو نے مارچ 1956 میں متذکرہ معاہدوں اور پاکستان اور امریکہ کے درمیان دوطرفہ دفاعی معاہدوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ گذشتہ آٹھ سالوں میں حالات بہت بدل گئے ہیں اور بہت اہم پیش رفت وقوع پذیر ہو چکی ہے۔ چنانچہ اس وجہ سے بھارت اپنے وعدے سے منہ موڑ رہا ہے۔ ان دونوں واقعات کا تعلق ہر طرح سے ناقابلِ توجیہ ہے بالخصوص اس لیے کہ بعدازاں اکتوبر 1962ء میں وہی نہرو چین کے خلاف امریکہ سے امداد مانگ اور وصول کر رہے تھے۔

دراصل وزیرِاعظم نہرو نے اس سے پہلے ہی کشمیر پر اپنے اقرار سے پیچھے ہٹنے کی بنیاد رکھ دی تھی جب اُنھوں نے دسمبر 1953ء میں پاکستان کے وزیرِاعظم محمد علی بوگرہ کو ایک خط میں لکھا تھا کہ امریکہ کی مدد سے پاکستان کے جنگی وسائل میں توسیع کو بھارت میں لامحالہ طور پر غیر دوستانہ نظر سے ہی دیکھا جا سکتا ہے اور اس کا اثر ان تمام اہم معاملات پر پڑے گا جن پر ہم غور کر رہے ہیں خصوصاً مسئلہ کشمیر پر۔

بھارت کی طرف سے کشمیر کے متعلق قراردادوں پر عمل نہ کرنے کی ایک اور دلیل یہ دی جاتی رہی کہ پاکستان نے اپنی فوجوں کو کشمیر سے نہیں نکالا جیسا کہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں میں کہا گیا ہے۔ جموں و کشمیر کے دونوں علاقوں سے پاکستان کی فوج اور ''بھارتی فوج کے بڑے حصے'' (Bulk of the Indian Army) کا اخراج رائے شماری کی پیشگی شرط ہے۔ رائے شماری سے انحراف کے لیے بھارت نے ایک اور دلیل کا سہارا لیا کہ کشمیر (مقبوضہ) میں یکے بعد دیگرے انتخابات کے بعد رائے شماری غیر ضروری ہے کیونکہ بار بار الیکشن کے ذریعہ کشمیریوں کی خواہشات کا تعین ہو چکا ہے۔ حالانکہ 1989 میں بھارت کے وزیرِ داخلہ مفتی سعید نے برملا اعتراف کیا تھا کہ کشمیر میں ہونے والے تمام انتخابات میں دھاندلی اور ہیرا پھیری ہوئی تھی۔

حقائق نامہ

1976ء: امرتسر اور لاہور کے درمیان سمجھوتہ ایکسپریس ریلوے سروس کا آغاز۔

1978ء: مُرار جی ڈیسائی کی وزارتِ عظمیٰ کے دوران بھارتی وزیرِ خارجہ اٹل بہاری واجپائی کا دورۂ پاکستان۔ بھارت دنیا کا واحد بڑا ملک جس نے ذوالفقار علی بھٹو کو پھانسی دیئے جانے پر احتجاج نہیں کیا۔

1981ء: بھارتی وزیرِ خارجہ نرسیما راؤ کا دورۂ پاکستان۔ پاکستان کی طرف سے جنگ نہ کرنے کے معاہدے کی پیشکش جسے بھارت نے نخوت سے یہ کہہ کر ٹھکرا دیا کہ ''شملہ معاہدہ پہلے ہی جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے''۔

1982ء: وزیرِاعظم اندرا گاندھی کی طرف سے جنرل ضیاء الحق کی فوجی حکومت کے خلاف ایم آر ڈی کی تحریکِ احتجاج کی اعلانیہ حمائت۔

1984ء: جموں کشمیر محاذِ آزادی (Jammu and Kashmir Liberation Front - JKLF) کے رہنما مقبول بٹ کو مبیّنہ طور پر دہشت گردی میں ملوث ہونے کے الزام میں جیل میں پھانسی۔

1984ء: اسلام آباد کے روزنامہ ''دی مسلم'' کے زیرِ اہتمام پاکستان اور بھارت کے غیر سرکاری ذرائع ابلاغ کے نمایاں نمائندوں' اساتذہ اور سابقہ سرکاری ملازمین کی پہلی ٹریک ۲ (Track Two) کانفرنس۔

1984ء: بھارت کا سیاچن گلیشئر پر چوری چھپے قبضہ جو اس سے پہلے کشمیر میں کِسی کا علاقہ نہیں (No Man's Land) تھا۔ یوں پاک بھارت تعلقات میں ایک نیا تنازعہ کھڑا ہو گیا۔

1985ء: صدر ضیاء الحق اور وزیرِاعظم راجیو گاندھی کے مابین ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے کے معاہدے پر دستخط۔ علاقائی تعاون کے لیے جنوبی ایشیائی تنظیم (سارک SAARC) کی تشکیل۔

جاری ہے.......

اس دغا بازی کے باوجود 1962 میں چین بھارت جنگ کے دوران پاکستان نے بھارت کے ساتھ ایک شائستہ ہمسایہ کا طرزِ عمل اختیار کیا۔ بھارت پر اس کڑے وقت میں پاکستان نے موقع سے فائدہ اٹھانے کا نہیں سوچا اور نہ ہی کشمیر کے حوالے سے بھارت پر کوئی دباوٴ ڈالا۔ اس کے برعکس 1971 کو جب پاکستان کو مشرقی پاکستان میں اپنے ہی پیدا کردہ بحران سے واسطہ پڑا تو اس وقت جنگی حکمتِ عملی کے ایک نمایاں ماہر کے الفاظ میں ''بھارت نے ہمسایہ میں لگی آگ کو بجھانے کی بجائے شعلوں کو ہوا دے کر بحران کو سنگین تر کر دیا''۔ بھارت نے اسے ''زندگی کا نادر موقع'' جان کر اسکا پورا فائدہ اٹھایا۔

عسکری حل

1962 اور 1971 کے درمیان پاکستان نے سلگتے ہوئے مسئلہ کشمیر کو فوجی قوت سے حل کرنے کی کوشش کی۔ اس کوشش میں 1965 کی جنگ بھڑک اٹھی۔ 17 روز شدید لڑائی ہوئی لیکن بالآخر یہ جنگ لاحاصل رہی۔ 1965 کی موسم گرما میں پانچ ہزار تربیت یافتہ گوریلا افراد پر مشتمل ایک خفیہ فورس تشکیل دی گئی جسے جبرالٹر فورس کا خفیہ نام دیا گیا۔ یہ فورس جنگ بندی لائن کے پار مقبوضہ کشمیر میں داخل ہو گئی۔

بھارت نے اس کے جواب میں بین الاقوامی سرحد عبور کر کے ۶ ستمبر 1965 کو لاہور پر حملہ کر دیا۔ جنگِ ستمبر سے یہ ظاہر ہو گیا کہ کشمیر کے مسئلہ پر دونوں ممالک کے مابین کسی بھی وقت جنگ کے شعلے بھڑک سکتے ہیں اور مسئلہ کشمیر ہی دونوں ممالک کے خوشگوار تعلقات کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔

مذاکرات کی تاریخ

1965 کی پاک بھارت جنگ سے پہلے 1962 کی چین بھارت جنگ کے دوران اینگلو امریکن مصالحت (Mediation) کے ذریعہ پاکستان کو غیر جانبدار رہنے پر مجبور کیا گیا اور بھارت کو آمادہ کیا گیا کہ مسئلہ کشمیر کے سیاسی حل کے لیے پاکستان سے مذاکرات کرے۔ پاکستان کے وزیرِ خارجہ ذوالفقار علی بھٹو اور بھارتی وزیرِ خارجہ سردار سورن سنگھ کے درمیان لاحاصل مذاکرات کے چھ دور ہوئے۔ نتیجہ کچھ نہ نکلا

حقائق نامہ

1987ء: بھارت کی طرف سے پاکستانی سرحد کے قریب سب سے بڑی فوجی مشقوں (Brass Tacks) کا انعقاد۔

1989ء: وزیرِاعظم راجیو گاندھی وزیرِ اعظم بے نظیر بھٹو کے ساتھ سیاچن کے متعلق معاہدہ کرنے کے وعدے سے اس بناء پر مکر گئے کہ جلد ہی متوقع انتخابات کے دوران اُنہیں داخلی انتخابی سیاست میں مسائل پیدا ہونے کا خدشہ تھا۔

1989ء: مقبوضہ کشمیر میں مسلح جدوجہدِ آزادی کا آغاز۔ بھارتی وزیرِ داخلہ مفتی محمد سعید کا اعتراف کہ 1989 کے علاوہ مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے تمام انتخابات میں دھاندلی ہوئی تھی۔

1990ء: صدر بُش کی طرف سے بھیجے گئے اُن کے خصوصی نمائندے رابرٹ گیٹس کی مصالحانہ کوششوں سے پاک بھارت تعلقات میں پیدا ہوتا ہوا بحران رُک گیا۔

1992ء: دونوں ملکوں کی افواج کے درمیان اُن کے ڈائریکٹر جنرل ملٹری آپریشنز کے ذریعے فوری رابطے (Hot Line) کا اہتمام۔

1993ء: مقبوضہ کشمیر کے اندر آزادی کے لیے کام کرنے والے تمام گروپوں کی چھتر تنظیم (Umbrella Organisation) کل جماعتی حریت کانفرنس (All Parties Hurriyat Conference) کا قیام۔

1997ء: پاکستان اور بھارت کے خارجہ سیکرٹری بیک وقت کشمیر سمیت آٹھ (۸) تنازعات پر مجموعی مذاکرات کرنے پر رضامند۔

1998ء: پہلے بھارت اور پھر پاکستان کی طرف سے ایٹمی دھماکے۔

1998ء: صدر کلنٹن کا کہنا کہ ''جنوبی ایشیاء دنیا کا خطرناک ترین علاقہ ہے''۔

1999ء: نئی دہلی اور لاہور کے درمیان شروع ہونے والی بس سروس کی افتتاحی بس میں وزیرِ اعظم واجپائی کی لاہور آمد۔ اُنکی مینارِ پاکستان کی سیر اور وزیرِ اعظم نواز شریف کے ساتھ اعلانِ لاہور پر دستخط۔

جاری ہے.......

مگر یہ واضح ہوگیا کہ بھارت اس وقت چین کو دور رکھنے کے لیے پاکستان کے ساتھ محض وقت گذاری کر رہا تھا۔

پاکستان اور بھارت کے مابین قیامِ امن کے لیے متعدد کوششوں میں سے یہ پہلی کوشش تھی جو بے سود رہی۔ جنگِ ستمبر 1965ء کے بعد ایک اور بڑی کوشش معاہدہ تاشقند کی صورت میں سامنے آئی۔ ۲ جنوری ۱۹۶۶ء کو معاہدہ تاشقند روس کی سرپرستی اور امریکی پشت پناہی سے ہوا۔ معاہدہ تاشقند پر دستخط کرنے کے بعد اسی روز بھارتی وزیرِاعظم لال بہادر شاستری کا تاشقند میں دل کا دورہ پڑنے سے انتقال ہوگیا۔ صدر پاکستان ایوب خان کو وطن واپس لوٹتے ہی معاہدہ تاشقند کے خلاف طلباء کی پُرتشدد تحریک کا سامنا کرنا پڑا۔ طلباء اس بات پر احتجاج کر رہے تھے کہ کشمیر پر ''سودے بازی'' کی گئی۔

1971ء کی جنگ کے بعد بھارت نے محسوس کیا کہ علاقائی قوت بننے کے لیے اس کے حجم (سائز) کو حتمی حیثیت حاصل ہوگی۔ مسز گاندھی اور سوویت یونین نے مل کر بنگلہ دیش کی تخلیق میں ایک دائی (Midwife) اور بے رحم سرجن کا کردار ادا کیا۔ بھارتی نقطۂ نظر سے معاہدہ شملہ کے تحت مسئلہ کشمیر دو طرفہ معاملہ بن چکا تھا۔ اگرچہ پاکستان نے یہ معاہدہ غیر مساویانہ تناظر میں کیا تھا (پاکستان نے نہ صرف جنگ ہاری تھی بلکہ آدھی آبادی بھی گنوا چکا تھا) پھر بھی پاکستان مسئلہ کشمیر پر اپنی پوزیشن برقرار رکھنے میں کامیاب ہوگیا۔ بہر طور چونکہ معاہدۂ شملہ جولائی 1972 میں ہوا تھا اِس لیے یہ پاکستان اور بھارت کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کا معاہدہ کم تھا اور 1971 کی جنگ کے بعد نئ صورتِ حال کو قائم رکھنے (Status quo) کی رسمی شکل دینے کا ذریعہ زیادہ۔

جموں و کشمیر کی سیز فائر لائن کو لائن آف کنٹرول میں بدل دیا گیا مگر مسئلہ کشمیر جوں کا توں رہا۔ کسی بھی فریق نے کوئی لچک نہیں دکھائی۔ 1972ء کے شملہ معاہدہ سے لے کر 1989 تک پاکستان کشمیر کو تقریباً فراموش کر چکا تھا۔ پالیسی اور پراپیگنڈہ دونوں میں کشمیر کو پسِ پشت ڈال دیا گیا تھا۔ بس برائے نام سرسری سا تذکرہ ہوتا تھا۔ 1989ء میں مضطرب اور مظلوم کشمیریوں نے خود بھارتی قبضے کے خلاف ہتھیار اٹھا کر دنیا کو مجبور کر دیا کہ وہ اُن کی طرف متوجہ ہو اور اُن کی حالتِ زار کو محسوس کرے۔ کشمیریوں کی مقامی' مقبول' بے ساختہ اور وسیع جدوجہد مسئلہ کشمیر کو پاکستان اور بھارت کے مابین بنیادی مسئلہ کے طور پر سامنے لے آئی ہے۔

حقائق نامہ

1999ء: دونوں وزرائے اعظم کی طرف سے خفیہ' پسِ پردہ رابطوں کے لیے اپنے اپنے نمائندوں کا تقرر: پاکستان کی طرف سے نیاز نائک اور بھارت کی طرف سے آر کے مِشرا۔

1999ء: کارگل کے تصادم کا نتیجہ: اعلانِ واشنگٹن اور ''مجاہدین'' کی کارگل کی چوٹیوں سے واپسی۔

2000ء: بھارتی وزیرِاعظم واجپائی کی دعوت پر صدر مشرف کا دورۂ آگرہ۔ ملاقات کسی پیشرفت میں ناکام۔

2001ء: بھارتی پارلیمنٹ پر دہشت گرد حملہ۔ بھارت کا پاکستان پر بے بنیاد الزام۔

2002ء: صدر مشرف کی طرف سے لشکرِ طیبہ اور جیشِ محمد پر پابندی۔

2002ء: امریکی سفارتی مداخلت سے بحران کا خاتمہ۔ جنگ ٹل گئی۔

2002ء: مقبوضہ کشمیر میں انتخابات کے بعد بھارتی افواج کی زمانۂ امن کی پوزیشنوں پر واپسی۔

2002ء: بھارتی شدت پسند نائب وزیرِاعظم ایل کے ایڈوانی کا بیان ''ہمیں جنگ کے ذریعے فیصلہ کر لینا چاہیے۔ ہم تین جنگیں لڑ چکے ہیں۔ چوتھی بھی ہو جانی چاہیے۔''

2002ء: بھارت کے شریک نہ ہونے کی وجہ سے سارک سربراہی کانفرنس اور سیف گیمز ملتوی۔

2003ء: وزیرِاعظم واجپائی کی طرف سے پاکستان کے خلاف جنگ کا امکان مسترد۔

2003ء: واجپائی کی طرف سے پاکستان کے لیے ''دستِ دوستی' دراز۔ حالات کو معمول پر لانے کے لیے کئی اقدامات۔ پاکستان کا مثبت جواب۔

مسئلہ کشمیر کے تصفیے کے سراب

اگر چہ کشمیر کا تصفیہ ابھی تک مبہم اور غیر واضح ہے۔ اس کے متعلق کئی مفروضے تصفیوں کی ناکامی کے ناہموار اور پتھریلے راستے پر پاش پاش ہو چکے ہیں۔ 1971ء تک یہ سمجھا جاتا رہا کہ پاکستان اور بھارت کے مابین درپیش مسائل کا حل پرانی نسل بہتر طور پر تلاش کر سکتی ہے کیونکہ اس نسل کے لوگوں کی تقسیم سے قبل اکٹھے رہنے' اکٹھے کام کرنے کی یادیں اور اُن کا ماضی مشترک ہے۔ گمان یہ تھا کہ یہ مشترک ماضی مشترک مستقبل کے تصور کو جنم دے سکتا ہے۔ لیکن جذباتیت پر یہ انحصار نتیجہ خیز ثابت نہیں ہوا۔ آزادی کے بعد کی پہلی چوتھائی صدی اس امر کی شاہد ہے۔

پھر ایک اور مفروضے نے جنم لیا۔ وہ یہ کہ اگر پرانی نسل ناکام ہوگئی ہے تو 1947 کے بعد پیدا ہونے والی نئی نسل جدید ذہنی رجحانات کے حامل ہونے کے باعث اس قابل ہوسکتی ہے کہ وہ نئے تعلقات استوار کرلے۔ وزیراعظم بے نظیر بھٹو اور وزیراعظم راجیو گاندھی منظر پر آئے۔ اگر چہ وہ تقسیم کی تلخیوں سے آزاد تھے اور شملہ معاہدہ دستخط کرنے والوں کے جانشین تھے لیکن وہ جمود کو توڑنے کے لیے اپنے سیاسی عزم (Political will) کو مجتمع نہ کر سکے۔ کشمیر کی بات تو ایک طرف وہ سیاچن کے بارے بھی کوئی پیش رفت نہ کر سکے۔

اِس ناقص تجربہ کے بعد ایک اور مفروضہ ابھرا۔ اس دفعہ دو پنجابی وزرائے اعظم محمد نواز شریف اور اندر کمار گجرال سے توقعات وابستہ کی گئیں کہ وہ کامیاب ہو جائیں گے جیسے کہ پانچ دریاؤں کی سرزمین سے تعلق کا بندھن خون کے اس دریا کے بہاؤ سے زیادہ مضبوط ہوگا جو 1947 میں بہا تھا یا مقبوضہ کشمیر میں مسلسل بہہ رہا ہے۔ پاکستان میں 1999 کے فوجی انقلاب اور انہی دنوں بھارتی الیکشن میں بی جے پی کے دوبارہ آجانے سے خوش امیدی اور عملیت پسندی پر مبنی ایک تاثر اجاگر ہوا کہ دونوں ممالک کی اسٹیبلشمنٹ کے سرپرستوں کا شعور و ادراک اور بنیادی نظریاتی اقدار اس معاملہ پر پیشرفت میں اُسی طرح ممدومعاون ہوسکتی ہیں۔ جیسے قدامت پسند رچرڈ نکسن سوویت یونین اور چین کے کمیونسٹوں سے معاملت کرتے رہے۔ لیکن آگرہ سے ظاہر ہوا کہ پاکستان اور بھارت کے تعلقات کو ایک سربراہی ملاقات سے نہیں بدلا جا سکتا۔ اس کے لیے ایک طویل کٹھن عمل کی ضرورت ہے۔ کوئی ایک واقعہ چاہے وہ علامتی طور پر کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کوئی بڑی تبدیلی نہیں لا سکتا۔

اپریل 2003ء کی کوشش

18 اپریل 2003 کی وزیراعظم واجپائی کی پیش قدمی اور وزیراعظم جمالی کی طرف سے فوری جوابی خیر سگالی کا اظہار ایک ایسے نئے علاقائی تناظر میں سامنے آئے ہیں جس میں عالمی برادری علاقائی کشیدگی اور بحرانوں کو ختم کرنے کی خواہش مند ہے چاہے یہ کشیدگی اور بحران جزیرہ نمائے کوریا میں ہوں' برصغیر میں یا مشرقِ وسطیٰ میں۔ 2002ء کے بحران کے بعد جو پاکستان اور بھارت کو جنگ کے کنارے پر لے آیا تھا اب داؤ پر پہلے سے کہیں زیادہ کچھ لگا ہوا ہے۔ درحقیقت 2002 کے واقعات امریکہ جیسے ممالک کے لیے پاکستان اور بھارت کو مذاکرات کی طرف دھکیلنے کے لیے کلیدی محرکات ہیں۔ کیونکہ جنگ اور بحرانوں کی عدم موجودگی امن کے لیے ایک مثبت عنصر ہے۔ اُن بحرانوں کو کس طرح روکا گیا اُس سے آج کی کشیدگی میں کمی کے عوامل کی نشاندہی بھی ہوتی ہے۔ یہ کارروائی امکانی طور پر بھارت کی آئی ٹی انڈسٹری کو مفلوج کر سکتی تھی۔ اس کے نتیجے میں ممبئی سٹاک ایکسچینج مارکیٹ اس سال کی سب سے نچلی حد تک گر گئی۔ چنانچہ نئی دہلی کو پیچھے ہٹنا پڑا۔

5 جون 2002 کو صدر بش نے صدر مشرف کو ذاتی طور پر ٹیلیفون کیا اور ان سے وعدہ کیا کہ وہ مذاکرات اور مسئلہ کشمیر کے پرامن تصفیہ کے لیے بھارت پر دباؤ ڈالیں گے۔ اگلے ہی روز امریکہ کے ڈپٹی سیکرٹری آف سٹیٹ رچرڈ آرمیٹج نے پاکستانی صدر کی طرف سے سرحد پار دراندازی مستقلاً بند کرنے کا وعدہ لے لیا جس سے درپیش بحران ختم ہو گیا۔ بعد ازاں دونوں فریقین نے اپنا اپنا متضاد مؤقف پیش کیا کہ جنگ سے کیسے بچا گیا۔ 14 جون 2002 کو وزیراعظم واجپائی نے کہا اگر پاکستان کراس بارڈر دراندازی روکنے کا مطالبہ پورا نہ کرتا اور اس بارے میں امریکہ پاکستان کی ضمانت نہ دیتا تو کوئی بھی جنگ ہونے سے نہیں روک سکتا تھا۔ اس کے برعکس صدر مشرف نے 19 جون 2002 کو اسلام آباد میں سائنس دانوں کے ایک اجتماع میں بتایا کہ ہم 28 مئی 1999ء کو (جوابی ایٹمی دھماکے کر کے) بتا چکے ہیں کہ ہم کوئی گیدڑ بھبکی نہیں دے رہے تھے۔ اور مئی 2002ء میں بھی ہمیں یہ ظاہر کرنے پر مجبور کر دیا گیا (میزائل ٹیسٹ) کہ ہم صرف دھمکا نہیں رہے اصل میں اپنی اپنی جگہ دونوں درست تھے۔ بھارت کا مقصد یہ تھا کہ جبر کی سفارت کاری سے' جنگ کی دھمکی دے کر امریکہ کے ذریعے پاکستان پر دباؤ ڈالا جائے کہ وہ کشمیر میں اپنی پالیسی تبدیل کرے اور تشدد آمیز کارروائیوں سے باز رہے جبکہ بھارت کے خلاف ردِعمل سے

پاکستان کا مقصد یہ تھا کہ دنیا پر واضح ہو جائے کہ کشمیر ایک بین الاقوامی فلیش پوائنٹ بن چکا ہے۔ اگر تصادم ہوا تو جارح کو اس کی بھاری قیمت چکانی پڑے گی۔ امریکہ بھارت کو عسکری مہم جوئی سے باز رکھے۔

حاصل ہونے والے سبق

فریقین نے کیا سبق سیکھے؟ اور مستقبل کے لیے انکا مطلب کیا ہوگا؟

یہ پہلی دفع ہوا ہے کہ دونوں ممالک نے اپنے دوطرفہ تعلقات میں امریکہ کا فعال کردار تسلیم کیا کیونکہ امریکہ کی مداخلت فریقین کی رضامندی سے ہے۔ 2002ء اور 2003 میں دونوں ممالک نے امریکی دباؤ قبول کرنے کے لیے اپنی رضامندی ظاہر کی ہے اس لیے کہ دونوں میں سے کوئی بھی ایک دوسرے پر فوجی غلبہ حاصل کرنے کے قابل یا اس کے لیے تیار نہیں۔ دونوں جان چکے ہیں کہ دہشت کے توازن اور ان کے زیرِ قبضہ ایٹمی ہتھیاروں نے جنوبی ایشیاء کا سٹریٹیجک منظر تبدیل کر دیا ہے۔ خطے میں جنگ کا تصّور ہی اتنا ہولناک ہے کہ دونوں میں سے کوئی بھی ملک جنگ کے امکان کے متعلق سوچ تک نہیں سکتا۔

لاہور اور آگرہ

تاشقند اور شملہ کے علاوہ امن کے لیے سنجیدگی سے اٹھائے گئے دو اور قدم بھی لڑکھڑائے اور ڈگمگا گئے۔ بھارتی وزیرِاعظم اٹل بہاری واجپائی فروری 1999 میں دہلی لاہور بس سروس کا افتتاح کرتے ہوئے بس پر لاہور آ گئے۔ اس دورے کا اہم ترین واقعہ اعلانِ لاہور پر دستخط تھے جس کے تحت بھارت کشمیر سمیت سات دیگر اہم مسائل پر بیک وقت جامع مذاکرات کے لیے رضامند ہو گیا۔ معرکہٴ کارگل نے اعلانِ لاہور کے عمل کو پٹڑی سے اتار دیا۔ اسکا نتیجہ 1999 میں پاکستان میں فوجی انقلاب کے ذریعہ اور بھارت کے نئے الیکشن کے ذریعے بی جے پی کی نئی حکومت کی صورت میں نکلا۔ شروع شروع میں بی جے پی کی حکومت نے پاکستان کے ساتھ مذاکرات سے انکار کرتے ہوئے یہ مؤقف اختیار کیا کہ غیر جمہوری فوجی حکمرانوں کے ساتھ مذاکرات نہیں کیے جا سکتے۔ لیکن جولائی 2001ء میں بھارتی حکومت نے اپنے مؤقف کو تبدیل کرتے ہوئے جنرل مشرف کو آگرہ میں سربراہی مذاکرات کی دعوت دے دی۔

لیکن آگرہ مذاکرات بھی اُس وسیع خلیج کی وجہ سے ناکام ہو گئے جو دونوں ملکوں کے مؤقف میں موجود تھی۔ پاکستان کا اِصرار تھا کہ کشمیر بنیادی تنازعہ ہے جبکہ بھارت بضد تھا کہ سرحد پار دہشت گردی کلیدی مسئلہ ہے۔ سربراہی مذاکرات کی عمارت اِن متصادم نقطۂ ہائے نظر کی وجہ سے زمین پر آ رہی۔

پسِ پردہ سفارت کاری

اعلانِ لاہور کے بعد پاکستان اور بھارت نے دونوں وزرائے اعظم کے نامزد کردہ نمائندوں نیاز اے نائیک (پاکستان) اور آر۔کے مشرا (بھارت) کے ذریعے پسِ پردہ سفارت کاری کو بھی آزمایا۔ اپریل سے جون تک دونوں نے تین میٹنگوں کے دوران مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کے متعلق مختلف امکانات پر غور کیا لیکن ابھی کسی فیصلہ پر نہیں پہنچے تھے کہ یہ مذاکرات معرکہٴ کارگل کی نذر ہو گئے۔

پسِ پردہ سفارت کاری کا احیاء ایک اچھا خیال ہے کہ اس طرح معاملات و مسائل پر لوگوں کی توجہ سے دور کسی سیاسی سمجھوتے پر پہنچنے کے لیے گفت و شنید ہو سکتی ہے۔

تنازعۂ کشمیر کے تصفیے کے لیے امکانی حل

فریقین کے اپنے معروف مؤقف کے حوالے سے اس مرحلے پر مسئلہ کے مختلف امکانی حلوں کی بات کرنا قبل از وقت ہوگا۔ البتّہ چند موجود امکانات کا جائزہ لینا کارآمد ہو سکتا ہے۔

رائے شماری

پاکستان کی طرف سے ترجیحی حل تو یہی ہے کہ اقوامِ متحدہ کی قراردادوں پر عملدرآمد کرتے ہوئے جموں و کشمیر کے لوگوں سے آزادانہ رائے شماری کے ذریعے ان کی مرضی معلوم کی جائے کہ وہ پاکستان کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں یا بھارت کے ساتھ۔

لائن آف کنٹرول بطور بین الاقوامی سرحد

بھارت کے نزدیک قابلِ ترجیح حل یہ ہے کہ موجودہ صورتِ حال جوں کی توں رہے اور لائن آف کنٹرول کو پاکستان اور بھارت کے مابین بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلیا جائے۔

خودمختار کشمیر

بعض کشمیری گروپوں کی رائے یہ ہے کہ جموں وکشمیر کے تمام علاقے کو مکمل طور پر آزاد وخودمختار قرار دے دیا جائے اور یہ کہ یہاں بھارت یا پاکستان کسی کا بھی کنٹرول نہیں ہونا چاہیے۔

چناب فارمولا

بعض حلقے کشمیر کی تقسیم کے لیے دریائے چناب کو سرحد بنانے کے حق میں ہیں اس لیے کہ دریائے چناب کے مغرب میں زیادہ تر مسلمان اور چناب کے مشرق میں زیادہ تر ہندو بستے ہیں۔

اس فارمولے کی ایک قدرے مختلف شکل یہ ہے کہ مذہبی بنیادوں پر پہلے سے موجود عملاً تقسیم کو رسمی شکل دے دی جائے یعنی ہندو اکثریت پر مشتمل جموں کے اضلاع اور بدھ مت کے پیروکاروں کا علاقہ لداخ بھارت میں چلا جائے جبکہ وادی کا زیادہ حصہ مسلم ہونے کی وجہ سے پاکستان میں شامل ہوجائے۔

اختتامیہ

جنوبی ایشیاء میں امن کے لیے مشرقِ وسطیٰ کی طرح راستے کا کوئی واضح نقشہ (روڈ میپ) نہیں ہے۔ پاکستان اور بھارت کی قیادت کو اپنے آئندہ تعلقات کے لیے تین قابلِ عمل متبادل (آپشنز) اپنے پیشِ نظر رکھنے چاہئیں۔

اولاً لاہور سربراہی ملاقات کی ڈوری جہاں ٹوٹی تھی وہاں سے سلسلہ جوڑ لیا جائے اور حالات کو معمول پر لانے کے لیے کشمیر سمیت سات دیگر ایشوز پر جامع مذاکرات (Composite Dialogue) کا عمل شروع کیا جائے۔ ثانیاً یہ کہ تعلقات کو معمول پر لانے کا عمل اس وقت تک روک لیا جائے جب تک سب سے بڑے متنازعہ فیہ مسئلہ یعنی مسئلہ کشمیر کے تصفیے پر رضا مندی کی کوئی شکل نہیں نکلتی پاکستان اور کشمیری عوام کا کہنا ہے کہ کشمیر سب سے اہم بنیادی مسئلہ ہے۔ لیکن بھارت کی نظر میں سرحد پار دہشت گردی کلیدی مسئلہ ہے اور یہ کہ اسے دیگر معاملات سے پہلے طے کیا جائے۔ آگرہ مذاکرات اسی وجہ سے تعطل کا شکار ہوگئے تھے۔

ثالثاً یہ کہ پاکستان اور بھارت آگرہ مذاکرات کے بعد والی صورتحال ''جنگ نہ امن'' کو برقرار رکھیں۔ بار بار بحران پیدا ہوتے رہیں اور مسلسل امریکی مصالحت (Mediation) جاری رہے۔ بین الاقوامی برادری کی طرف سے اس نیم مستقل کشیدگی کی ناپسندیدہ صورتِ حال کی قبولیت کا امکان کم ہے کیونکہ یہ کشیدگی پھیل کر قابو سے باہر بھی ہوسکتی ہے۔

پہلا آپشن یعنی اعلانِ لاہور کی طرف مراجعت اور وہیں سے دوبارہ آغاز سب سے زیادہ قابلِ عمل ہے۔ دونوں حریفوں کو اِس عمل کے شروع کرنے میں کوئی سیاسی قیمت بھی ادا نہیں کرنا پڑے گی۔ اگرچہ فوری طور پر کشمیر کا تصفیہ نہیں ہوجائے گا تاہم جنوبی ایشیاء کا سیاسی درجہ حرارت کم ہوجائے گا۔ اس سے تعلقات کو معمول پر لانے میں مدد ملے گی اور کشمیری قوم کو درپیش مصائب ومشکلات میں تخفیف ہوسکتی ہے جو گزشتہ 14 برسوں کے دوران 80 ہزار شہیدوں کی جانوں کی قربانی دے چکی ہے۔

اعلانِ لاہور کے اس عمل کا جاری ہونا دونوں حکومتوں کے لیے یکساں اہم اس لیے بھی ہے کہ دونوں کے لئے اس عمل (Process) پر کاربند ہونا ممکن ہے، اور کسی حکومت پر بھی سودے بازی کا الزام نہیں لگے گا۔

اگر ایٹمی عنصر کی موجودگی کی وجہ سے جنگ کا آپشن ختم ہوجاتا ہے تو دونوں ممالک کے مابین مذاکرات قابل عمل ہوجائیں گے۔ اُنہیں اتنی مہلت مِل جائے گی کہ وہ اپنی انتہائی پوزیشنوں سے ہٹ کر 50 سالہ قدیم مسئلہ کشمیر کے حل کی شروعات کرسکیں۔ دونوں ملکوں کی موجودہ صورتِ حال کو ایک ہی جھٹکے میں آر یا پار کی نظر سے دیکھنے کی بجائے ایک عمل کا نقطۂ آغاز سمجھنا چاہیے۔

تتمّہ الف

سربراہی ملاقاتیں اور معاہدے

تتمہ الف

پاک بھارت تعلقات : سربراہی ملاقاتیں اور معاہدے

نمبرشمار	تاریخ	پاکستانی لیڈر	بھارتی لیڈر	مقام	تفصیلات
۱۔	18اپریل 1950ء	وزیراعظم لیاقت علی خان	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	کراچی	گفتگو مہاجرین اور اقلیتوں کے معاملات پر ہی مرتکز رہی
۲۔	26اپریل 1950ء	وزیراعظم لیاقت علی خان	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	نئی دہلی	''لیاقت نہرو پیکٹ'' کے نام پر معاہدہ ہوا جس میں مہاجرین اور اقلیتوں کے متعلق معاملات طے پاگئے۔
۳۔	16اگست 1953ء	وزیراعظم محمد علی بوگرہ	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	نئی دہلی	فریقین اس امر پر رضامند ہوگئے کہ کشمیر کا مسئلہ کشمیریوں کی خواہشات کے مطابق حل کیا جائے۔
۴۔	11 ستمبر 1958ء	وزیراعظم فیروز خان نون	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	نئی دہلی	فریقین باہمی تنازعات طے کرنے پر متفق ہوگئے۔
۵۔	01 ستمبر 1960ء	صدر ایوب خان	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	نئی دہلی	فریقین نے باہمی مسائل کو منصفانہ بنیادوں پر حل کرنے پر اتفاق کیا۔
۶۔	19 ستمبر 1960ء	صدر ایوب خان	وزیراعظم پنڈت جواہرلال نہرو	کراچی	سندھ طاس معاہدہ عمل میں آیا۔
۷۔	10 جنوری 1960ء	فیلڈ مارشل صدر ایوب خان	وزیراعظم لال بہادر شاستری	تاشقند	1965 کی جنگ سے پیدا ہونے والے تنازعات کے حل کیلئے معاہدۂ تاشقند ہوا۔
۸۔	02 جولائی 1972ء	صدر ذوالفقار علی بھٹو	وزیراعظم مسز اندرا گاندھی	شملہ	1971ء کے جنگی قیدیوں کا معاملہ شملہ معاہدہ کے تحت طے ہوا۔ سیز فائر لائن کو لائن آف کنٹرول کا نام دیا گیا۔
۹۔	2 نومبر 1985ء	صدر جنرل ضیاء الحق	وزیراعظم مسز اندرا گاندھی	نئی دہلی	دونوں رہنماؤں نے غیر وابستہ ممالک کی سربراہی کانفرنس (Non Aligned Movement Summit) کے موقع پر ایک الگ ملاقات کی مگر مذاکرات لاحاصل رہے۔
۱۰۔	17 ستمبر 1985ء	صدر جنرل ضیاء الحق	وزیراعظم راجیو گاندھی	نئی دہلی	فریقین ایک دوسرے کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ نہ کرنے پر متفق ہوگئے۔
۱۱۔	21 فروری 1987ء	صدر جنرل ضیاء الحق	وزیراعظم راجیو گاندھی	جے پور	بھارت کی جنگی مشقوں کے باعث شدید کشیدگی تھی۔ صدر ضیاء الحق کرکٹ میچ دیکھنے جے پور پہنچ گئے۔ صدر ضیاء الحق کے اس دورے کو کرکٹ ڈپلومیسی کا نام دیا گیا۔ اس دورے میں کوئی معاہدہ نہیں ہوا۔ کشیدگی کم ہوگئی۔

تتمّہ الف

پاک بھارت تعلقات : سربراہی ملاقاتیں اور معاہدے

نمبرشمار	تاریخ	پاکستانی لیڈر	بھارتی لیڈر	مقام	تفصیلات
۱۲۔	30دسمبر1988ء	وزیراعظم بےنظیر بھٹو	وزیراعظم راجیو گاندھی	اسلام آباد	سارک کانفرنس کے موقع پر رسمی ملاقات ہوئی۔
۱۳۔	12 مئی 1997ء	وزیراعظم نواز شریف	وزیراعظم اندر کمار گجرال	مالے	سارک کانفرنس کے موقع پر رسمی ملاقات ہوئی۔
۱۴۔	23 ستمبر 1998ء	وزیراعظم نواز شریف	وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی	نیویارک	اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس کے موقع پر رسمی ملاقات۔
۱۵۔	20فروری1999ء	وزیراعظم نواز شریف	وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی	لاہور	فریقین اس امر پر متفق ہوگئے کہ کشمیر سمیت تمام تنازعات کا حل تلاش کرینگے۔ دونوں وزرائے اعظم نے اعلانِ لاہور پر دستخط کئے۔
۱۶۔	14 جولائی 2001ء	صدر جنرل پرویز مشرف	وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی	آگرہ	سہ روزہ آگرہ کانفرنس میں پاکستان اور بھارت کے مابین انتہائی اہم سفارتی معرکہ آرائی دیکھنے میں آئی لیکن وہ کسی مشترکہ اعلامیہ پر بھی اتفاق نہ کرسکے۔ عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کشمیر کے سوال پر اختلافات کی وجہ سے مذاکرات تعطل کا شکار ہوگئے۔

تتمّہ ب

اعلانِ تاشقند

تتمہ ب
اعلانِ تاشقند

اعلانِ تاشقند کا متن جس پر صدر ایوب خان اور وزیراعظم لال بہادر شاستری نے ۱۰ جنوری ۱۹۶۶ کو سوویت یونین کی جمہوریہ ازبکستان کے دارلحکومت تاشقند میں سوویت یونین کے وزیرِاعظم الیکسی کوسیجن کی موجودگی میں اپنی اپنی حکومتوں کی طرف سے دستخط کئے۔ روسی وزیرِاعظم نے اِس میں مصالحانہ کِردار ادا کیا۔

بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر کے درمیان تاشقند میں ملاقات ہوئی جس میں اُنہوں نے بھارت اور پاکستان کے درمیان موجودہ تعلقات پر گفت وشنید کے بعد اپنے اس پختہ عزم کا اعلان کیا کہ وہ اپنے ملکوں کے درمیان تعلقات کو معمول پر لائیں گے اور دونوں ملکوں کے عوام کے مابین مفاہمت اور دوستانہ تعلقات کو فروغ دیں گے۔ اِن مقاصد کے حصول کو وہ بھارت اور پاکستان کے ۶۰ کروڑ عوام کی فلاح کے لیے انتہائی اہمیت کے معاملات سمجھتے ہیں۔

۱۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر اتفاق کرتے ہیں کہ وہ اقوامِ متحدہ کے منشور کے مطابق دونوں ملکوں کے درمیان اچھے ہمسائیوں کے تعلقات پیدا کرنے کے لیے تمام ممکنہ کوششیں کریں گے۔ وہ اپنی اِس ذمّے داری کا اعادہ کرتے ہیں کہ وہ منشور کے تحت قوت کا استعمال نہیں کریں گے اور باہمی تنازعات کو پُرامن ذرائع سے طے کریں گے۔ وہ غور وخوض کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دونوں ملکوں کے درمیان کشیدگی کو جاری رکھنے سے علاقائی بالخصوص برِصغیر میں امن کے مفادات بلکہ درحقیقت بھارت اور پاکستان کے عوام کے مفادات کی کوئی خدمت نہیں ہوگی۔ یہ وہ پس منظر ہے جس میں جموں اور کشمیر پر بات چیت ہوئی اور طرفین نے اپنی اپنی پوزیشن بیان کی۔

۲۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر نے اتفاق کیا کہ دونوں ملکوں کی مسلح افواج کے تمام افراد 24 فروری 1966 سے پہلے پہلے اُن پوزیشنوں پر واپس بلا لئے جائیں گے جہاں وہ 5 اگست 1965 سے پہلے تھے اور طرفین خطِ متارکۂ جنگ پر جنگ بندی کی تمام شرائط پر عمل کریں گی۔

۳۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر متفق ہیں کہ بھارت اور پاکستان کے مابین تعلقات کی بنیاد ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں عدم مداخلت پر ہوگی۔

۴۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر نے اتفاق کیا کہ دونوں ممالک ایک دوسرے کے خلاف پراپیگنڈہ کی حوصلہ شکنی کریں گے اور ایسے پراپیگنڈہ کی حوصلہ افزائی کریں گے جس سے دونوں ملکوں کے درمیان دوستانہ تعلقات کو فروغ حاصل ہو۔

۵۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر کے درمیان طے پایا کہ پاکستان میں بھارتی ہائی کمشنر اور بھارت میں پاکستانی ہائی کمشنر اپنے اپنے عہدوں پر واپس چلے جائیں گے اور دونوں ملکوں کے سفارتخانوں کے معمول کے مطابق کام کو بحال کیا جائے گا۔ دونوں ملک سفارتی تعلقات کے متعلق 1961 کے ویانا کنونشن پر عملدرآمد کریں گے۔

۶۔ بھارتی وزیراعظم اور پاکستانی صدر متفق ہیں کہ وہ بھارت اور پاکستان کے درمیان اقتصادی اور تجارتی تعلقات، مواصلات اور ثقافتی تبادلوں کی بحالی کے لیے اقدامات پر غور کریں گے۔ وہ بھارت اور پاکستان کے مابین موجود معاہدوں پر عملدرآمد کے لیے بھی اقدامات کریں گے۔

تتمہ ب
اعلانِ تاشقند

۷۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر نے اس امر پر بھی اتفاق کیا کہ وہ متعلقہ حکام کو جنگی قیدیوں کی واپسی کا اہتمام کرنے کی بھی ہدایات جاری کریں گے۔

۸۔ بھارتی وزیراعظم اور پاکستان کے صدر نے طرفین کی طرف سے مہاجرین سے متعلقہ مسائل اور غیر قانونی تارکینِ وطن کے اخراج کے معاملے پر گفت وشنید جاری رکھنے پر اتفاق کیا۔انہوں نے ایسے حالات پیدا کرنے پر بھی اتفاق کیا جن کی مدد سے اخراجِ آبادی کو روکا جا سکے۔اُنہوں نے مزید اتفاق کیا کہ دونوں فریق ایک دوسرے کی وہ جائداد اور اثاثے بھی واپس کر دیں گے جن پر جنگ کی وجہ سے قبضہ کیا گیا تھا۔

۹۔ بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر نے اتفاق کیا کہ دونوں ملکوں میں براہِ راست باہمی دلچسپی کے تمام امور کے متعلق اعلیٰ ترین سطح اور دوسری سطحوں پر ملاقاتیں جاری رکھی جائیں گی۔ اُنہوں نے ایسے مشترکہ بھارت پاکستان اِدارے قائم کرنے پر بھی اِتفاق کیا جو اپنی اپنی حکومتوں کو مزید اقدامات کی ضرورت کے متعلق رپورٹ دیں گے۔

بھارت کے وزیراعظم اور پاکستان کے صدر کی طرف سے سوویت یونین' سوویت حکومت اور ذاتی طور پر یو ایس ایس آر کی وزراء کی کونسل کے چیئرمین کے لیے اُن کی تعمیری' دوستانہ اور اعلیٰ ظرفانہ کوششوں پر تحسین اور تشکّر کے گہرے جذبات کو ریکارڈ کا حِصّہ بنایا گیا جنہوں نے اِس ملاقات کو ممکن بنایا جس سے باہمی طور پر اطمینان بخش نتائج مرتب ہوئے۔ وہ اُزبکستان کی حکومت اور دوستانہ عوام کا بھی اُن کی شاندار پذیرائی اور فیاضانہ مہمان نوازی کے لئے خلوصِ دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔

وہ یو ایس ایس آر کے وزراء کی کونسل کے چیئرمین کو اِس اعلان میں بطور گواہ شرکت کی دعوت دیتے ہیں۔

ترجمہ

شملہ معاہدہ

تتمّہ ج

شِملہ معاہدہ

2جولائی 1972 کو بھارت کے شہر شِملہ میں ہونے والے معاہدے کا متن جِس پر صدرِ پاکستان ذوالفقار علی بھٹو اور وزیرِ اعظم بھارت اندرا گاندھی نے دستخط کئے۔

بھارتی حکومت اور حکومتِ پاکستان نے عزم کیا کہ دونوں ملک ایک دوسرے کے ساتھ اُس کشیدگی اور تصادم کا خاتمہ کر دیں جس نے اب تک اُن کے تعلقات کو خراب کر رکھا ہے اور ایک دوستانہ اور ہم آہنگ تعلق کے فروغ کے لیے اور پائدار امن کے قیام کے لیے کام کریں اور اب کے بعد اپنی توانائیوں اور اپنے ذرائع کو اپنے عوام کی فلاح و بہبود کو آگے بڑھانے کے اہم اور فوری کام کے لیے وقف کر دیں۔

اِس مقصد کے حصول کے لیے بھارتی حکومت اور حکومتِ پاکستان نے مندرجۂ ذیل امور پر اتفاق کیا ہے:

۱۔ یہ کہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات اقوامِ متحدہ کے منشور کے تحت ترتیب دیئے جائیں گے۔

۲۔ یہ کہ دونوں ملکوں نے عزم کیا ہے کہ اپنے اختلافات کو پُر امن طور پر باہمی مذاکرات یا کسی بھی دوسرے ایسے پُر امن ذریعے سے طے کریں گے جس پر دونوں متفق ہوں۔ دونوں ملکوں کے درمیان کسی بھی مسئلے کے حتمی حل تک کوئی بھی فریق یکطرفہ طور پر صورتِ حال کو تبدیل نہیں کرے گا اور دونوں ایسے اقدامات کی تنظیم، اعانت اور حوصلہ افزائی کو روکیں گے جو پُر امن اور ہم آہنگ تعلقات کو برقرار رکھنے میں نقصان دہ ہو سکتے ہوں۔

۳۔ یہ کہ پُر امن بقائے باہمی' ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت و حاکمیت کے احترام' مساوات اور باہمی مفاد کی بنیاد پر ایک دوسرے کے داخلی امور میں عدم مداخلت کے تصورات کے ساتھ مکمّل وابستگی اور عہد دونوں ملکوں کے درمیان صلح' اچھی ہمسائیگی اور پائدار امن کے لیے پیشگی شرائط ہیں۔

۴۔ یہ کہ جن بنیادی تنازعات اور کشمکش کی وجوہ نے گزشتہ پچیس سال سے دونوں ملکوں کے تعلقات کو خراب کر رکھا ہے اُنہیں پُر امن ذرائع سے طے کیا جائے گا۔

۵۔ یہ کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کی قومی وحدت' علاقائی سالمیت' سیاسی آزادی اور حاکمانہ مساوات کا احترام کریں گے۔

۶۔ یہ کہ وہ اقوامِ متحدہ کے منشور کے مطابق ایک دوسرے کی علاقائی سالمیت اور سیاسی آزادی کے خلاف طاقت کے استعمال یا طاقت کے استعمال کی دھمکی دینے سے احتراز کریں گے۔ دونوں حکومتیں اپنے اپنے دائرہ اختیار میں ایک دوسرے کے متعلق مخاصمانہ پراپیگنڈہ کو روکنے کے لیے تمام اقدامات کریں گی۔ دونوں ایسی اطلاعات کی اشاعت کی حوصلہ افزائی کریں گی جس سے دوستانہ تعلقات کی نشوونما کو فروغ حاصل ہو۔

مواصلات اور تجارت

دونوں ملکوں کے مابین تعلقات کی بحالی اور اُن کو معمول پر لانے کے لیے اتفاق کیا گیا کہ:

تتمّہ ج

شِملہ معاہدہ

۷۔ مواصلات، ڈاک، ٹیلی مواصلات، بحری، برّی اور ایک دوسرے کے علاقوں پر سے پروازوں سمیت فضائی رابطوں کی بحالی کے لیے اقدامات کیے جائیں گے۔

۸۔ دونوں ملکوں کے باشندوں کیلئے ایک سے دوسرے ملک میں سفری سہولیات کو بہتر بنانے کیلئے مناسب اقدامات کئے جائینگے۔

۹۔ جس حد تک ممکن ہو تجارت اور دوسرے اقتصادی شعبوں میں تعاون کو بحال کیا جائے گا۔

۱۰۔ سائنس اور ثقافت کے میدانوں میں تبادلوں کو فروغ دیا جائے گا۔ اِس ضمن میں ضروری تفصیلات طے کرنے کے لیے دونوں ملکوں کے وفود کے درمیان وقتاً فوقتاً ملاقاتیں ہوتی رہیں گی۔ پائدار امن کے قیام کے عمل کے آغاز کے لیے دونوں حکومتیں اتفاق کرتی ہیں کہ:

۱۱۔ بھارت اور پاکستان کی افواج سرحد کی اپنی اپنی طرف واپس بلالی جائیں گی۔

۱۲۔ جموں اور کشمیر میں ۱۷ دسمبر ۱۹۷۱ء کی جنگ بندی کے نتیجے میں وجود میں آنے والی لائن آف کنٹرول کا دونوں اطراف احترام کریں گی۔ لیکن اس سے اُن کی مسلّمہ پوزیشنیں متاثر نہیں ہونگی۔ باہمی اختلافات اور قانونی تعبیرات سے قطع نظر کوئی بھی فریق اس میں یکطرفہ طور پر ردّوبدل کرنے کی کوشش نہیں کرے گا۔ دونوں فریق اس بات کا بھی عہد کرتے ہیں کہ وہ اس لائن کی خلاف ورزی کیلئے نہ طاقت استعمال کریں گے اور نہ طاقت کے استعمال کی دھمکی دینگے۔

۱۳۔ فوجوں کی واپسی اس معاہدے کے روبہ عمل آتے ہی شروع ہو جائے گی اور اُس کے بعد تیس دن کے اندر اندر مکمّل کر لی جائے گی۔

یہ معاہدہ دونوں ملکوں کے اپنے اپنے آئینی طریقِ کار کے مطابق توثیق سے مشروط ہے اور اُس دن سے مؤثر بہ عمل ہوگا جس دن دستاویزاتِ توثیق کا تبادلہ ہوگا۔

دوسری سربراہی ملاقات

دونوں حکومتوں نے اتفاق کیا کہ اُن کے سربراہ مستقبل میں باہمی سہولت کے پیشِ نظر طے کیے گئے وقت پر دوبارہ مِلیں گے۔ اور یہ کہ اِس اثناء میں دونوں اطراف کے نمائندے دیرپا امن کے قیام اور تعلقات کو معمول پر لانے کے ضِمن میں انتظامات اور طریقِ کار طے کرنے کے لیے ملاقاتیں کرتے رہیں گے۔ اِن معاملات میں جنگی قیدیوں اور شہری نظر بندوں کی واپسی کا سوال، جموں و کشمیر کا حتمی تصفیہ اور سفارتی تعلقات کی بحالی بھی شامل ہوں گے۔

دستخط (ذوالفقار علی بھٹو)
صدر، اسلامی جمہوریہ پاکستان

دستخط (اندرا گاندھی)
وزیر اعظم، جمہوریہ بھارت

تمہید

اعلانِ لاہور

تتمّہ د

اعلانِ لاہور

اعلانِ لاہور کا متن جس پر پاکستان کے وزیراعظم نواز شریف اور بھارت کے وزیراعظم اٹل بھاری واجپائی نے ۲۱ فروری ۱۹۹۹ء کو پاکستان کے شہر لاہور میں دستخط کئے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان اور جمہوریہ بھارت کے وزراءاعظم نے:

اپنے ممالک کے درمیان امن واستحکام اور اپنے اپنے عوام کی ترقی اور خوشحالی کے خواب میں شریک ہوتے ہوئے۔

اِس امر کے قائل ہوتے ہوئے کہ پائدار امن، تعلقات کی ہم آہنگی میں پیش رفت اور دوستانہ تعاون سے دونوں ممالک کے عوام کے اہم ترین مفادات کی بہتری ہوگی تاکہ وہ اپنی توانائیاں ایک بہتر مستقبل کے لیے وقف کرسکیں۔

یہ تسلیم کرتے ہوئے کہ دونوں ملکوں کی سلامتی کے ماحول میں ایٹمی ہتھیاروں کے داخل ہوجانے سے باہمی تصادم سے بچنے کے لئے دونوں ملکوں کی ذمہ داری میں اضافہ ہوجاتا ہے۔

اقوامِ متحدہ کے منشور کے اصولوں اور مقاصد اور پُرامن بقائے باہمی کے مسلّمہ عالمی اصولوں کی پاسداری سے وابستگی کا عہد کئے ہوئے' دونوں ملکوں کے اِس پختہ عزم کا اعادہ کرتے ہوئے کہ شملہ معاہدے پر لفظاً ومعناً عمل درآمد کریں گے' سلامتی کے ماحول میں بہتری کے لیے باہمی طور پر متفقہ بحالیٔ اعتماد کے اقدامات کی اہمیت کا قائل ہوتے ہوئے 23 ستمبر 1998 کے اپنے اِس اتفاق رائے کا دوبارہ اظہار کرتے ہوئے کہ امن اور تحفظ کا ماحول فریقین کے اعلیٰ ترین مفاد میں ہے اور اس مقصد کے لیے جموں وکشمیر سمیت تمام تنازعات کا تصفیہ لازمی ہے۔

اتفاق کیا ہے کہ اُن کی اپنی اپنی حکومتیں:

۱۔ کشمیر سمیت تمام تنازعات کے تصفیے کے لیے اپنی کوششیں تیز کردیں گی۔

۲۔ ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں دخل اندازی اور مداخلت سے گریز کریں گی۔

۳۔ متفقہ دوطرفہ ایجنڈا پر مثبت نتائج کے حصول کے لیے اپنے مجموعی اور مجتمع مذاکرات میں تیزی لائیں گی۔

۴۔ ایٹمی ہتھیاروں کے حادثاتی اور بلا اختیار استعمال کے خطرے کو کم کرنے کے لیے فوری اقدامات کریں گی اور ایٹمی اور روایتی میدانوں میں بحالیٔ اعتماد کے اقدامات کی توضیح وتشریح کے لیے نظریات اور تصوّرات پر بات چیت کریں گی تاکہ تصادم کو روکا جاسکے۔

پلڈاٹ
پاکستان انسٹیٹیوٹ آف
لیجسلیٹو ڈویلپمینٹ
اینڈ ٹرانسپیرینسی

91/2۔ای ماڈل ٹاؤن، لاہور۔54700، پاکستان
فون: 3-5854760 (42-92) فیکس: 5854755 (42-92)
ای میل: info@pildat.org یو آر ایل: www.pildat.org